© rasailojaraid.com

کر وہ دفعۃً جست لگا کر باطل سے حق کی طرف آجائیں گے۔ وہ ایک حد تک مہلت پانے کے بہر حال مستحق ہیں اور جن مسلمانوں تک ابھی ہماری دعوت پہنچی ہی نہیں ہے ان کو تو دعوت پہنچانے سے پہلے ہمیں سرے سے ملامت کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔

(۳) بنی اسرائیل میں بادشاہی کا آغاز نبوت سے الگ ہو کر نہیں ہوا، بلکہ نبوت کے تحت ہوا۔ ہر بادشاہ کے زمانہ میں ایک نبی بھی ہوتا تھا اور وہ سارے نظام میں وہی حیثیت رکھتا تھا جو نظام جسم میں آنکھ کی پتلی کو حاصل ہے۔ بادشاہ بالکلیہ اس کے تحت ہوتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا اس کی ہدایت کے مطابق کرتا تھا۔ توریت میں ہر زمانہ کے ملوک اور انبیاء کی تفصیل موجود ہے۔ قرآن میں مقامِ مدح میں مَلِک کا لفظ اصطلاحی (monarch) کے مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ مجرد صاحب اقتدار کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ یہ اقتدار خدا کے قانون کا بخشا ہوا ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے متعلق بھی آپ کو غلط فہمی ہے۔ یہ فرعون سے بنی اسرائیل کی سیاسی آزادی کا مطالبہ نہیں تھا بلکہ توریت میں تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو قربانی کرنے کے لیے کسی ایسے مقام پر لے جانا چاہتے تھے جو بیابان میں تین دن کی راہ کے فاصلہ پر تھا۔ قرآن کے الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے اور بلا دلیل توریت کے اس بیان کی تردید کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ کچھ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے اسوہ کو دلیل قرار دے کر انگریزوں کی غلامی اور چاکری کو ثواب بتا رہے ہیں اور کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کو دلیل قرار دے کر موجودہ تحریک آزادی کو فرضِ دینی بتا رہے ہیں۔ اور ان میں سے کسی بزرگ کو اس بات پر غور کرنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ آخر کیا مذاق ہے کہ ایک نبی یہ پیغام لے کر آئے کہ فرعون کی نوکری کرو اور دوسرا پیغمبر یہ دعوت لے کر اٹھے کہ فرعونی اقتدار سے آزادی حاصل کرو۔ اگر ان حضرات کی قرآن فہمی کا یہی حال ہو تو عجب نہیں کہ صریح کفر و شرک کو بھی یہ لوگ انبیاء کا لایا ہوا دین ثابت کر دیں۔

گناہ کبیرہ پر تکفیر

سوال:۔ ہم نے اپنی ایک جماعت بنائی ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے۔ ہم فسق اور کفر میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ ہماری جماعت عام مسلمانوں کو وہی حیثیت دیتی ہے جو قرآن نے اہل کتاب کو دی ہے۔ مثلاً ہم شادی بیاہ جماعت کے اندر ہی کرتے ہیں۔ غیر جماعتی مسلمانوں سے لڑکیاں تو لے لیتے ہیں مگر اپنی لڑکیاں ان کے عقد میں نہیں دیتے۔

ہمارے اس عقیدہ اور طرز عمل کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ صحیح ہیں یا غلط؟ اگر غلط ہوں تو تشفی بخش طریقہ پر ہماری غلطی ہم پر واضح فرمائیے۔

جواب:۔ تحقیق کرنے سے مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کی جماعت میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو دین کا صحیح علم اور تفقہ رکھتا ہو، اور اس کا ثبوت خود ان مسائل کی نوعیت سے بھی ملا۔ کیونکہ یہ مسائل آپ ہی ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کو پیدا کرنے والا ذہن کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نظر نہیں رکھتا۔ اب اگر میں یہ کہوں تو اس پر برا نہ مانا جائے بلکہ اسے اس حق نصیحت کی ادائگی سمجھا جائے جو ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان پر واجب ہے کہ علم دین کے بغیر دین کے مسائل میں رائیں قائم کرنا اور ان کو دین قرار دے کر انفرادی یا اجتماعی زندگی کے لیے اصول بنا لینا خود سب سے بڑا فسق اور تمام کبائر سے بڑھ کر کبیرہ ہے۔ اس لیے کہ ہم مسلمان اگر ہو سکتے ہیں تو اس دین پر ایمان لا کر اور اس کی پیروی کر کے ہو سکتے ہیں جو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں پیش کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس ایمان اور اتباع کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جو کچھ بھی اصول اخذ کریں اور اپنے عقائد و اعمال کے لیے جن چیزوں کو بنیاد قرار دیں وہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ ہوں۔ لیکن جو شخص یا گروہ قرآن اور سنت میں بصیرت اور تفقہ نہ رکھتا ہو اور اپنے رجحانات کی بنا پر کچھ رائیں قائم کر کے ان کو دین قرار دے لے وہ حقیقت میں دین کا پیرو تو نہیں ہے، اپنی آراء اور رجحانات کا پیرو ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے کبائر کی کیا حقیقت ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دین پر ایمان لانے کے لیے جو مجمل علم کافی ہے اور دین کے موٹے موٹے اصول جاننے کے لیے قرآن کی عام فہم تعلیمات کا جو علم اور حدیث پر جو سرسری نظر کافی ہے، اسے مسائل دینی میں رائے قائم کرنے اور دینی طریق پر لوگوں کی رہنمائی کرنے کے لیے کافی سمجھ لینا غلطی ہے اور اسی غلطی کا نتیجہ وہ خطرناک بڑی غلطی ہے جس کی طرف اوپر میں نے اشارہ کیا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب میں ان مسائل کا مختصر جواب دیتا ہوں جو آپ میرے سامنے پیش کیے ہیں:

کفر دراصل اس چیز کا نام ہے کہ کسی آدمی کے سامنے دین کو پیش کیا جائے یا دین اس کے سامنے پیش ہو اور وہ جانچ نہ دیا چاہتا ہے اور پھر وہ اس کو ماننے یا اس کے مطالبات اور احکام میں سے کسی کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرے۔ نادانی کی حالت جس میں آدمی دین کو جانتا ہی نہ ہو اور اس وجہ سے اس کے خلاف زندگی بسر کر رہا ہو، کفر کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ اس کو جاہلیت کہتے ہیں۔

پھر کفر کے متعلق یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو سے کفر اس منکرانہ اور باغیانہ حالت کو کہتے ہیں جو اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے خروج از ایمان ہو۔ دوسرے پہلو سے کفر اس غیر مسلمانہ حالت کو کہتے ہیں جس کے رونما ہونے پر ایک آدمی دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا اور مسلمانوں کی سوسائٹی سے اس کا تعلق کاٹ ڈالا جائے گا۔

پہلی قسم کے کفر کو معصیت کے ساتھ خلط ملط کرنا زیادتی اور خلاف قرآن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معصیت ایمان کی ضد ہے۔ لیکن مجرد معصیت، خواہ وہ کتنی ہی بڑی ہو، لازماً ایمان کے مستقل طور پر سلب ہو جانے کی موجب نہیں ہوتی۔ کافر کی طرح مومن سے بھی بڑے سے بڑا گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ البتہ جو چیز مومن کے گناہ اور کافر کے گناہ میں فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو عین حالت گناہ میں تو ایمان اس سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ شہوات نفس کے اس غلبے اور نادانی کے اس پردے سے، جو عارضی طور پر اس کے قلب پر پڑ گیا تھا، باہر نکل آتا ہے تو اس کو شرمساری لاحق ہوتی ہے، خدا سے نادم ہوتا ہے، آخرت کی سزا کا خوف کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ پھر اس سے ایسی حرکت کا ارتکاب نہ ہو۔ اس قسم کی معصیت خواہ کتنی ہی بڑی ہو آدمی کو کافر نہیں بناتی، صرف گناہ گار بناتی ہے، اور توبہ اس کو پھر ایمان کی طرف واپس لے آتی ہے۔ برعکس اس کے کافر کے گناہ کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اسی گناہ گارانہ طرز عمل اور طرز زندگی کو اپنے لیے مناسب اور لذیذ اور درست سمجھتا ہے۔ اس کو خدا کی اور اس کے حکم کی کچھ پروا نہیں ہوتی کہ اس نے اس فعل کو گناہ اور حرام قرار دیا ہے۔ وہ پورے اصرار اور استکبار کے ساتھ اسی فعل کا ارتکاب کیے جاتا ہے۔ ندامت اس کے پاس نہیں پھٹکتی۔ یہ دوسری قسم کی گناہ گاری سلب ایمان کی موجب ہے اور یہ بجائے خود کبیرہ ہے خواہ اس جذبہ کے ساتھ کوئی ایسا کام کیا جائے جس کو عرف عام میں صغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھا جاتا ہو۔ ان دونوں قسم کے گناہوں کو ایک ہی حیثیت دینا اور ان پر یکساں کفر کا حکم لگا دینا بالکل غلط ہے اور اسی قسم کی افراط و تفریط خود کبیرہ کی تعریف میں آتی ہے۔ پہلی صدی سے آج تک بجز خارجیوں کے یا معتزلہ کے ایک گروہ کے اور کسی نے یہ رائے قائم نہیں کی ہے۔

اب دوسری قسم کے کفر کو لیجیے جو کسی انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دینے اور مسلمانوں کی برادری سے اس کا رشتہ کاٹ دینے کے لیے کافی ہو۔ اس چیز کے متعلق جان لینا چاہیے کہ شریعت نے ایسی تکفیر کو ہر کس و ناکس کی ہاتھ کا کھلونا نہیں بنایا ہے۔ جس طرح کسی انسان کے جسمانی قتل کے لیے یہ شرط ہے کہ نظام اسلامی موجود ہو، با اختیار قاضی تمام شہادتوں اور پوری صورت حال پر اچھی طرح غور کر کے پوری تحقیق کے بعد یہ رائے قائم کرے کہ یہ شخص واجب القتل ہے، تب اس کو قتل کیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک شخص کے روحانی قتل یعنی تکفیر کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ اس کے اوپر جو الزام کفر لگایا گیا ہو اس کی ایک قاضی شرع پوری تحقیق کرے، اس کا اپنا بیان لے، اس کے اقوال و افعال کو جانچ کر دیکھے، شہادتوں پر غور کرے، اور اس کے بعد فیصلہ کرے کہ یہ شخص جماعت مسلمین سے کاٹ کر پھینک دینے کے قابل ہے۔ جہاں ایسا نظام موجود نہ ہو، نہ قضائے شرعی ہو اور نہ وہ شرائط جو تکفیر کے لیے ناگزیر ہیں پوری ہو سکتی ہوں، وہاں تکفیر کا فیصلہ کر دینا اور کسی شخص یا گروہ کو مسلم سوسائٹی سے خارج قرار دینا اگر صحت کا احتمال رکھتا ہے تو غلطی کا احتمال بھی رکھتا ہے، اور یہ افراد کے اور بے اختیار جماعتوں کے شرعی اختیارات سے باہر ہے، اور اس کا فساد اس فساد سے کچھ کم نہیں ہے جو غیر مومن لوگوں کے مسلم سوسائٹی کے ساتھ جڑے رہنے سے رونما ہوتا ہے۔

جو گروہ یا شخص واقعی دینی اصلاح چاہتا ہو اس کو چاہیے کہ پہلے جاہلوں، گناہ گاروں، اصلی کافروں اور مسلمانوں کی سوسائٹی سے کاٹ پھینکنے کے قابل کافروں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لے اور جوش و خروش کے ساتھ نہیں بلکہ انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں رائے قائم کرے کہ کس کی فی الواقع کیا پوزیشن ہے۔ پھر جاہلوں تک دین کا علم پہنچانے کی کوشش کرے اور جب وہ اپنے آپ کو خود مسلمان سمجھتے ہوں تو خواہ مخواہ انھیں یہ یقین دلانے کی کوشش نہ کرے کہ تم مسلمان نہیں ہو۔ اس کے بجائے اس کو ان سے یوں کہنا چاہیے کہ جب تم مسلمان ہو، اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو، مسلمان رہنا چاہتے ہو تو جانو کہ اسلام کیا ہے اور جان کر اس کی پیروی کرو۔ جن لوگوں کو گناہ گاری کی حالت میں پائے ان کو خدا کا خوف دلائے اور ان کے اندر ایمان کی جو چنگاری دبی ہوئی ہے اس کو بھڑکانے کی کوشش کرے۔ جن لوگوں کے اندر وہ کفر محسوس کرے ان کو کافر کہنے اور ان کی تکفیر کا اعلان کرنے پر اصرار نہ کرے بلکہ اپنی جگہ یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ حالت کفر میں مبتلا ہیں ان کو ایمان کی دعوت دے اور حکمت و موعظت حسنہ سے ان کے دلوں میں ایمان اتارنے کی سعی کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی طبیب کسی شخص کے اندر دق کی بیماری محسوس کرے تو اس کا اپنی جگہ یہ سمجھ لینا اور جان لینا ضروری ہے کہ یہ دق میں مبتلا ہے کیونکہ اس کے بغیر تو اس کا علاج ہی نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایک طبیب کے لیے اس سے بڑی اور کوئی حماقت نہیں ہو سکتی کہ وہ جس کسی میں دق محسوس کرے اس کے منہ پر بھی پھٹ سے کہہ دے کہ تو دق میں مبتلا ہے۔ یہ اس کے علاج کا نسخہ تو نہیں ہے بلکہ مار دینے کا نسخہ ہے۔

رہے وہ لوگ جو صریح طور پر اس قابل نظر آتے ہیں کہ مسلمانوں کی سوسائٹی سے ان کو کاٹ پھینکا جائے، ان کے معاملہ میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ جب قضائے شرعی موجود نہیں ہے اور ایسا نظام نافذ نہیں ہے کہ جو شخص اسلامی نظام جماعت سے نکال دینے کے قابل ہے اس کو واقعی نکال دیا جائے تو تکفیر اور خروج از ایمان کے اعلانات کرنے سے پرہیز کیا جائے اور صرف اس بات پر اکتفا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا جائے کہ اہل ایمان خود ہی ایسے لوگوں سے ولایت اور محبت کے تعلقات اور دوستی وہم نشینی ترک کر دیں۔ مگر تبلیغ کے لیے ملنے کا دروازہ کسی حال میں بند نہ کرنا چاہیے۔

شادی بیاہ کے متعلق آپکے طرز عمل کی بنیاد بھی غلط فہمی ہے جو تکفیر کے باب میں آپ لوگوں کو لاحق ہوئی ہے اور اس کے دور ہو جانے سے یہ سوال خود بخود حل ہوجاتا ہے۔ لیکن میں مزید توضیح کے لیے اتنا کہہ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ مسلم سوسائٹی اس وقت پائی جاتی ہے اس کو جملۃً واحدۃً قرار دے کر اس پوری سوسائٹی کو ایک ہی لکڑی سے ہانک دینا بڑی زیادتی ہے اور ایک غیر شرعی طرز عمل ہے۔ اس سوسائٹی میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ بھی ہیں جو سچے مومن، دیندار اور صالح ہیں، وہ بھی جو جاہلیت میں مبتلا ہیں، وہ بھی جن کے اندر کفر پایا جاتا ہے، اور وہ بھی جو اس قابل ہیں کہ انھیں مسلم سوسائٹی سے کاٹ پھینکا جائے مگر اس وقت محض نظام اسلامی نہ ہونے کی وجہ سے ان کو کاٹا نہیں جا سکتا۔ ان سب کو ایک گروہ قرار دے کر ان سے اہل کتاب کا سا معاملہ کرنا آخر کس شریعت کی رو سے صحیح ہے؟ ان میں جو لوگ مومن اور دیندار ہیں ان سے شادی بیاہ کے تعلقات محض اس وجہ سے منقطع کرنا کہ وہ آپ کی جماعت میں نہیں آئے ہیں، بیجا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس قسم کی تفریق کرنے کا شریعت نے آپ کو حق نہیں دیا ہے رہے جاہلیت میں پڑے ہوئے لوگ اور وہ لوگ جو فسق و فجور اور کافرانہ خصائل میں مبتلا ہیں، تو ان سے فی الواقع شادی بیاہ کے تعلقات قائم نہیں کرنے چاہئیں، نہ اس بنا پر کہ وہ سب کے سب کافر ہیں بلکہ اس بنا پر کہ شریعت میں ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم شادی بیاہ کے معاملات میں سب سے پہلے آدمی کے دین اور تقویٰ کو دیکھیں۔

غالباً جس چیز نے آپ لوگوں کو اپنی جماعت سے باہر کے تمام مسلمانوں سے اہل کتاب کا سا معاملہ کرنے پر آمادہ کیا ہے وہ التزام جماعت کے متعلق احادیث کے وہ احکام ہیں جن کی رو سے جماعتی زندگی ہی اسلامی زندگی ہے اور جماعت کے بغیر جو زندگی ہے وہ جاہلیت کی زندگی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آپ حضرات اچھے خاصے صالح مسلمانوں کو بھی جو آپ کی جماعت سے باہر ہیں من شذ شذ فی النار کا مصداق ٹھیرا کر انھیں بیٹیاں دینا جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر یہ آپ کا خیال ہے تو قطعاً ایک غلط خیال ہے۔ حدیث میں جس جماعت کو یہ حیثیت دی گئی ہے کہ اس سے علیحدگی اسلام سے علیحدگی کی ہم معنی ہے، وہ "الجماعۃ" ہے نہ کہ کوئی جماعت جسے چند مسلمان مل کر بنا لیں۔ اور "الجماعۃ" کا اطلاق صرف اس جماعت پر ہو سکتا ہے جو

(۱) خالص اقامت دین کے لیے بنی ہو یعنی جس کے وجود کا مقصد ہی یہ ہو کہ خدا کے دین کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے عملاً قائم کرے۔

(۲) جس میں اہل ایمان کا سواد اعظم شامل ہو۔

(۳) جس کے ہاتھوں دین کے وہ تمام کام انجام پا رہے ہوں جن کی خاطر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا میں ایک امت مسلمہ قائم ہو۔

ایسی جماعت اگر موجود ہو تو اس سے انقطاع یقیناً دین سے انقطاع ہے اور اس شخص کا ایمان و اسلام ہرگز معتبر نہیں ہے جو اس سے علیحدہ ہو یا علیحدہ رہے۔ لیکن اس نظام جماعت کے درہم برہم ہوجانے اور امت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد جو جماعتیں اس غرض سے بنائی جائیں کہ "الجماعت" کے فقدان کی تلافی ہو، ان میں سے کسی کو بھی الجماعت کے شرعی حقوق و اختیارات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ عملاً الجماعت کے مرتبے پر نہ پہنچ جائے۔ آپ خواہ کتنے ہی صالح اور نیک نیت ہوں، اور آپ کا مقصد خواہ ٹھیک ٹھیک وہی ہو جو انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تھا، اور آپکے اصول اجتماع بھی وہی ہوں

© rasailojaraid.com